مادّہ قدیم ہے یا حادث؟

پروفیسر سید کاظم نقوی

مادیین کا خیال ہے کہ مختلف قسم کے جسموں کے تجزیہ اور تحلیل سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تشکیل بہت چھوٹے چھوٹے مادّی ذرّوں سے ہوئی ہے۔ علوم جدیدہ کی روز افزوں ترقیوں نے ان ذرات کے مختلف نام رکھے ہیں۔ ایک دور تھا کہ ہر مرکب، یعنی ایسے جسم کے اُس انتہائی مختصر اور چھوٹے ذرّے کو جو کئی چیزوں اور جزوں سے مل کر بنے مالکیول (MOLCULE) کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک زمانہ آیا کہ ایٹم نے اس نام کی جگہ لے لی جس کے لفظی معنی ہی ہیں "ناقابلِ تقسیم" لیکن یہ خیال ابدیت اور دوام کی مسند پر نہیں بیٹھ سکا۔ بعد کی تحقیقات نے بتایا کہ ایٹم کی تشکیل بھی کچھ دوسرے ذرّوں سے ہوئی ہے جن میں سے تین جز، رکن رکین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پروٹون (PROTON)، نیوٹران (NEUTRON) اور الکٹران (ELECTRON)۔ پہلے دو ذرّوں سے ایٹم کی بنیادی چیز نیوکلیس بنی ہے۔ پروٹون اور نیوٹران بڑی سختی سے ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے ہیں، الیکٹران نیوکلیس کے گرد پروانہ کی طرح بڑی تیزی سے چکر لگا رہے ہیں۔ مادّہ پرستوں کے نزدیک یہ ایٹمی مادّہ اور اس کی حرکت ہمیشہ سے ہے۔ ان کو کسی نے پیدا نہیں کیا ہے۔

مادّہ پرستوں سے فیصلہ کن گفتگو کے لیے اس بات کو قطعی طور پر طے کرنا ہوگا کہ مادّہ "حادث" ہے یا "قدیم" وہ ہمیشہ سے ہے یا عدم سے وجود میں آیا ہے؟

فلاسفہ کی زبان میں "حدوث" عدم سے وجود میں آنے کو کہتے ہیں، اسی طرح حادث ہر اس چیز کا نام ہے جو عدم سے وجود میں آئے، نہ ہونے کے بعد موجود ہو۔ اب نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(الف)

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی زمانہ اس کے وجود سے خالی ہو اور کوئی بھرا ہوا ہو۔ ظاہر،

ہے کہ ایسا جب ہی ہو سکتا ہے کہ خود زمانہ موجود ہو چکا ہو۔ ایسی چیز زمانے کے لحاظ سے ایک وقت نہ ہو کر موجود ہو گی۔ اصطلاحی طور پر اس طرح کی چیز کا نام "حادث زمانی" قرار دیا گیا ہے۔

عام طور پر ہمارا سابقہ جن طرح طرح کی چیزوں سے ہے وہ اسی قسم کی ہیں کہ ایک زمانے میں نہ تھیں، اس کے بعد وجود میں آ گئیں۔ ہر چیز کی طویل یا مختصر عمر ہے۔ یہ مادر گیتی جس کی محبت بھری گود میں ہم سب پروان چڑھتے ہیں ایک زمانہ تھا کہ نہ تھی۔ بعد کو وجود میں آئی، جبکہ یہ مانا جائے کہ زمانہ اس کے قبل موجود تھا۔ بہر حال سائنسی تحقیقات بہت سی چیزوں کی عمریں بتانے کے دعویدار ہیں۔

(ب)

کسی چیز کے نہ ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ذاتی طور پر نہ ہو۔ معدوم رہ کر وجود کی صفت سے متصف ہو۔ وہ ہمیشہ سے ہو، کوئی زمانہ اس کے وجود سے خالی نہ ہو۔ خود زمانہ اسی طرح کی چیز ہے۔ زمانہ کیا ہے ؟ یہی دن رات ہیں جنھوں نے زمانے کی تشکیل کی ہے۔ ان کا سرچشمہ کیا ہے ؟ اسی کرۂ زمین کا سورج کے گرد چکر لگانا۔ خود زمانہ ایسی چیز ہے جو یقیناً عدم سے وجود میں آیا ہے، کیونکہ سائنس نے یقینی طور پر زمین کی عمر بتا دی ہے۔ زمین کے وجود سے پہلے ہرگز یہ دن رات نہیں تھے جنھیں زمانہ کہا جاتا ہے۔ زمین ہی کی طرح سورج کے وجود سے پہلے بھی زمانے کے وجود کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔ شاید یہ دوسری بات زیادہ ٹھیک ہو، بلکہ حقیقت کے مطابق یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے قبل زمانہ نہیں ہو سکتا جس میں حرکت پائی جائے، کیونکہ اس کے وجود کا سرچشمہ یہی حرکت ہے، لیکن اس وقت ہم اس زمانے کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جس کی تشکیل اسی دن رات سے ہوئی ہے۔ بہر حال زمانے کے قبل زمانے کا ہونا غیر معقول ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی ایسا وقت نہیں تھا جو زمانے کے وجود سے خالی ہو، لہٰذا خود زمانہ ایسی چیز نہیں ہے جو کسی زمانے میں معدوم رہ کر بعد کو وجود میں آیا ہو، لیکن بہر حال وہ عدم سے وجود میں آیا ہے۔ اس طرح کی چیز کو فلاسفہ اپنی اصطلاحی زبان میں "حادثِ ذاتی" کہتے ہیں۔

جو چیز ہمیشہ سے موجود ہو اسے فلسفہ کی اصطلاح میں "قدیم" کہا جاتا ہے۔ معدوم رہ کر موجود ہونے والی شی کی طرح اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ "حادث زمانی" کے مقابل "قدیم زمانی" اور "حادثِ ذاتی" کے مقابل "قدیم ذاتی"۔

"قدیم زمانی" وہ چیز ہے جس کے وجود سے کوئی زمانہ خالی نہ ہو، جو زمانے کے لحاظ سے ہمیشہ سے ہو۔ چونکہ زمانے کے وجود کا سرچشمہ سورج ہے اس لیے اس کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی زمانہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ زمانے کا کوئی حصہ گزرنے کے بعد وہ موجود نہیں ہوا ہے، ایسی شی کو "قدیم زمانی" کہنا غلط نہیں ہے۔

اس کے برخلاف "قدیم ذاتی" وہ چیز ہے جو عدم سے وجود میں نہ آئے، وہ ذاتی طور پر اس طرح کا ہو کہ معدوم رہ کر موجود نہ ہو بلکہ بغیر کسی دوسرے کا لحاظ کیے ہوئے ذاتی طور پر ہمیشہ سے ہو۔

یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہے کہ جہاں تک وجود خدا ثابت کرنے کا تعلق ہے اس کے لیے موجودات عالم اور مادّے کے لیے یہ ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ کوئی وقت ان کے وجود سے خالی تھا۔ اس کے گزرنے کے بعد وہ وجود کی صفت سے متصف ہوئے۔ ایک زمانہ تھا جب مادّہ نہ تھا، بعد میں وہ موجود ہوا، بلکہ صرف اتنا ثابت کر دینا کافی ہے کہ اس دنیائے وجود کی یہ چہل پہل ہمیشہ سے نہ تھی۔ تمام موجودات ذاتی طور پر معدوم رہ کر وجود میں آئے ہیں۔ ان کی پہلی، ابتدائی حالت عدم تھی۔ نیستی کے بعد انھوں نے ہستی کا لباس پہنا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز عدم سے وجود میں آئے وہ خود بخود موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر وہ خود بخود وجود میں آنے کے قابل ہوتی تو عدم کے ساتھ نباہ کیوں کرتی؟ ضرورت ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کے وجود کا سبب ہو بیشک جو چیز ذاتی طور پر ہمیشہ سے ہو وہ ہر ایسے سبب سے بے نیاز ہے جو اس کو ایجاد کرے۔ اسے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی سے وجود کی بھیک مانگے۔

مادّہ پرست اور منکرینِ خدا ایٹم اور اس کی حرکت کے علاوہ تمام موجودات کے متعلق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ وہ صرف یہ بات نہیں مانتے کہ انھیں کسی صاحبِ عقل ہستی نے پورے ارادے اور اختیار سے پیدا کیا ہے۔

۱۔ یہ فیصلہ مادّیین نے کیونکر فرمایا؟

اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مادّہ پرستوں کے نزدیک حقیقتوں کے جاننے کا ذریعہ صرف حواس اور تجربات ہیں۔ جو باتیں احساس اور آزمائش کے دائرے میں نہ آئیں وہ ان کے نزدیک ہرگز ماننے کے قابل نہیں ہیں۔ خالص عقلی دلیلوں کا ان کی نظر میں کوئی وزن نہیں ہے۔ وہ انھیں فلسفیانہ موشگافیاں اور سادہ لوحی قرار دیتے ہیں۔

مادّی مفکّرین کی خدمت میں ہماری پہلی عرض یہ ہے کہ مادّہ حادث ہو یا قدیم، لیکن جناب والا

کو یقیناً اس بات کا اقرار ہے کہ خود آپ اور تمام دوسرے لوگ "حادث" ہیں۔ آپ بھی عدم سے وجود میں آئے ہیں اور دوسرے انسان بھی نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ مادّے کی حرکت کے نتیجہ میں سب سے پہلے سورج کی تشکیل ہوئی اور سب کے آخر میں انسان وجود میں آیا ہے۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ان مادّی مفکّرین بلکہ خود انسان سے پہلے مادّہ اور اس کی حرکت موجود تھی۔ مادّہ اس وقت تھا جب آدم اور آدم زاد کوئی نہیں تھا جب انسان ہی نہیں تھا تو مادّے کے وجود اور اس کی حرکت کے محسوس کرنے کا کیا سوال؟ اس کا تجربہ کرنے کا کیا موقع؟ اس عالم ازل میں بس مادّہ ہی مادّہ تھا۔ اس کے وجود اور حرکت کا محسوس کرنے والا کوئی نہیں تھا، کون تھا کہ جو اسے اپنے زیر تجربہ لاتا؟ پھر بغیر احساس اور تجربہ کیسے ہوئے سالہا سال مادّے اور اس کی حرکت پر گزر جانے کے بعد جناب والا نے کیونکر فیصلہ کر دیا کہ مادّہ اور حرکت "حادث" نہیں بلکہ "قدیم" ہیں، معدوم رہ کر وجود میں نہیں آئے ہیں بلکہ ہمیشہ سے ہیں؟

ممکن ہے کہ مادّیین کے طبقہ کی جانب سے کہا جائے کہ خدا پرستوں کا طبقہ مادّے کے عدم سے وجود میں آنے کے موقع پر کب موجود تھا جو وہ اس کے قدیم ہونے کے بجائے حادث ہونے کا دعوے دار ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا پرستوں اور مادّہ پرستوں کے درمیان فرق ہے۔ مادّیین کے نزدیک علم و معرفت کا ذریعہ صرف احساس اور تجربہ ہے، لیکن خدا پرست مفکّرین، فیصلہ کرنے کا حق بنیادی طور پر عقل کو دیتے ہیں جس کے ادراکات عمومی اور ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ وہ زمان و مکان کی حدوں میں محدود نہیں ہوتے۔ عقل کے لیے ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس چیز کی بابت کوئی فیصلہ کرے وہ اس کے ہم زمان ہو، یعنی جس زمانے میں فیصلہ کرنے والی عقل ہو اسی میں وہ شے بھی موجود ہو جس کے متعلق فیصلہ کیا جا رہا ہے۔

۲۔ عالم، بس یہی عالم کب ہے؟

کھلی ہوئی بات ہے کہ فقط ان جسمانی موجودات کے پیدا ہونے کا سرچشمہ یہ ایٹمی مادّہ ہے جس کی قدامت اور ازلیت کے منکرین خدا دعویدار ہیں، لیکن عالم وجود ہرگز اس عالم اجسام میں محدود نہیں ہے، کم از کم یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس مادّی عالم کے

علاوہ اس طرح کے دوسرے عالم ہوں جن کی تشکیل اس ایٹمی مادہ سے نہ ہوئی ہو، مادّی مفکرین کے اقوال سے صرف اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ تمام مادی اور جسمانی موجودات کی انتہا ایٹم پر ہوتی ہے، لیکن انھوں نے یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ اس عالم اجسام کے علاوہ کوئی دوسرا عالم نہیں ہے۔ البتہ وہ اس کے مدعی ضرور ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ عالم اجسام کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے قائل نہیں ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بات کسی کے صرف دعویٰ کر دینے سے ثابت نہیں ہوتی ہے، جس طرح کوئی حقیقت محض کسی کے انکار کر دینے سے مجروح نہیں ہوتی ہے۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ غیر مادی عالم کو نہ ان ظاہری حواس کی مدد سے ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے وجود کا اس بنیاد پر انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے احساس اور تجربے کے دائرے میں نہیں آیا ہے۔ مادّہ پرستوں کے پاس استدلال کا ذریعہ بس تجربات اور ظاہری حواس ہیں۔ انھوں نے سائنس اور فلسفہ کے درمیان فرق قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سائنس اس معتبر اور مستند علم کا نام ہے جس کا ذریعہ حواس اور تجربات ہوں۔ اس کے برخلاف فلسفہ اس علم کو کہتے ہیں جو خالص عقلی دلائل سے حاصل ہو۔ مادّی مفکّرین کو فقط سائنس سے سروکار ہے۔ انھیں فلسفہ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ رہ گئے ظاہری حواس، ان کے سہارے غیر مادّی موجودات کو نہ تو ثابت کیا جا سکتا اور نہ ان کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں باتوں کا محض ایک راستہ ہے جس کا نام خالص عقلی استدلال ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کسی غیر مادّی عالم کے وجود کا انکار کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ انسان کے احساس اور تجربے کے دائرے میں نہیں آیا ہے، کیونکہ اگر اس عالم اجسام کے علاوہ دوسرے غیر جسمانی عالم موجود ہوتے تو وہ ضرور ہمارے ظاہری حواس کی گرفت میں آجاتے۔ ان کا حواس کی گرفت میں نہ آنا ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ بے حقیقت اور خیالی چیزیں ہیں۔

یقیناً یہ بات کہی جا سکتی اور کہی گئی ہے، لیکن اس کو مان لینا بہت دشوار ہے کیونکہ کسی چیز کا دستیاب نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ سائنس کی سرپرستی میں جو انکشافات اور ایجادات ہوئے ہیں ان کی عمر بہت مختصر ہے۔ اگر مادّی مفکرین کی یہ بات صحیح ہے تو تمام آزمائش گاہوں میں قفل ڈال دینا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنس داں جو طاقت فرسا علمی کاوشیں کر رہے ہیں وہ احمقانہ ہیں، کیونکہ ان تمام

کوششوں کا مقصد ایسی باتوں کا جاننا ہے جو ابھی تک انسان کے احساس اور تجربے کے دائرے میں نہیں آئی ہیں۔ بجلی کی طاقت سے ایک وقت میں ہمارے حواس کب آشنا تھے؟ یہی ایٹم کے دل میں چھپی ہوئی غیر معولی قوت کچھ عرصہ قبل کب ہمارے حواس کی دسترس میں تھی؟

پھر اس کو بھی ملحوظ رکھیے کہ اب تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ ایک زینہ اتر کر لکھا ہے، کیوں کہ ہمارے سامنے ایک طرف مادّی مفکّرین کا طبقہ ہے جو غیر مادّی موجودات سے ان کے دستیاب نہ ہونے کی بنا پر بے خبری کا اظہار بلکہ ان کے وجود کا انکار کر رہا ہے، دوسری طرف خدا پرست فلاسفہ ہندوستان کے سیکڑوں جوگی اور ہزاروں صحیح العقل لوگ ہیں، ان سب سے بڑھ کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین کا طبقہ ہے جو اس غیر مادّی عالم کے دستیاب ہو جانے کا دعویدار ہے۔

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

اس دوسرے گروہ کا دعویٰ ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس غیر مادّی عالم کی عجیب وغریب چیزوں کو دیکھا ہے۔ وہ نہ جانے اپنے کتنے مشاہدات بیان کرتا ہے جنھوں نے خود ان چیزوں کو نہیں دیکھا ہے، لیکن انھوں نے ان کے ایسے نمایاں اثرات دیکھے ہیں جن کی واقعیت اور حقیقت کا کوئی دیر باور شخص بھی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ مادّیین کہتے ہیں کہ غیر مادّی موجودات سے کبھی ہمارا سابقہ نہیں رہا، لیکن خدا پرستوں کا گروہ کہتا ہے کہ ہم نے ان غیر مادّی عالموں کی سیر کی ہے ہمیں وہاں کی عجیب وغریب چیزوں کا علم ہے۔ اصولی طور پر علم ویقین کے دعویدار کا وہ شخص مقابلہ نہیں کر سکتا جو لاعلمی کا دعویدار ہو۔ جہالت اور علم کو ایک پلّے میں جگہ نہیں دی جا سکتی۔

اس سے بھی چشم پوشی صحیح نہیں ہے کہ غیر مادّی عالم کو ماننے والے اور نہ ماننے والے علمی اور اخلاقی لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ اسے ثابت کرنے والوں کی صف میں سقراط، افلاطون، ارسطو، فارابی، بوعلی سینا، ڈیکارٹ، طوسی، ملا صدرا اور غفران مآب کی سی عظیم المرتبت شخصیتیں ہیں، جن کے گراں قدر تحقیقات کی دنیائے علم مرہون منت ہے۔ اسی کے ساتھ انبیاء و مرسلین بھی اسی طبقہ کے ہم نوا دکھائی دیتے ہیں جن کی اخلاقی بلندی مسلّم الثبوت ہے، جو صفائے باطن اور طہارت نفس کے لحاظ سے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ سب لوگ ایک زمانے میں بھی نہ تھے تاکہ ان کے متعلق یہ شبہ پیدا ہو سکے کہ مادّی مشترکہ اغراض ومقاصد نے انھیں ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا، مادّی مفادات کے اشارے سے انھوں نے متفقہ طور پر سازش کر کے ایک دوسرے

کی ہاں میں ہاں ملادی تھی۔

مختلف اور گوناگوں پہلوؤں سے انصاف پسند اشخاص کو وثوق اور اطمینان حاصل ہونا چاہیے کہ اس طبقہ نے جو بات کہی ہے وہ صحیح ہے، اگرچہ ہم نے اُس غیر مادّی عالم کی سیر و سیاحت نہیں کی ہے، لیکن اِس قابلِ اعتماد گروہ کے اقوال سے ہمیں اس کی موجودگی کا ویسا ہی یقین حاصل ہو جاتا ہے جیسا کسی چیز کے براہِ راست محسوس کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

واضح بات ہے کہ اس عالم مادّی کے وجود کا سرچشمہ ایٹم ہے جس کو مادّیین نے قدیم اور ازلی مانا ہے۔ غیر مادّی موجودات کا وہ ہرگز سرچشمہ نہیں ہے، لیکن جبکہ اس طرح کا عالم موجود ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی سرچشمۂ وجود ہونا ضروری ہے۔

۲۔ عدم سے وجود میں آنے کی نشانیاں

یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک براہِ راست فیصلہ کرنے کا تعلق ہے نہ مادّے کے ہمیشہ سے ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ معدوم رہ کر موجود ہونے کا فیصلہ، کیونکہ ہم لوگ نہ عالم ازل میں اس کے پہلو بہ پہلو موجود تھے کہ اس کی قدامت اور ازلیت کو محسوس کر سکتے اور نہ اس کے عدم سے عالم وجود میں قدم رکھنے کے موقع پر موجود تھے کہ اس کے حادث ہونے کی گواہی دے سکیں۔ ایسی صورت میں بس ہم ہیں اور وہ علامات وخصوصیات ہیں جو مادّے میں پائے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت زیادہ نہیں، تھوڑے سے سوچ بچار کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ مادّے میں احتیاج، محدودیت اور تبدیلی، حرکت اور کئی چیزوں سے مرکب ہونا، غرض عدم سے وجود میں آنے کی تمام نشانیاں نمایاں طور سے جھلک رہی ہیں۔ مادّے کی بابت تو گفتگو بعد میں ہوگی۔ فی الحال موجوداتِ عالم میں سے دن اور رات کو لے لیجیے۔ ان کے متعلق فیصلہ کرنے کی کوشش کریں کہ وہ عدم سے وجود میں آئے ہیں یا ہمیشہ سے ہیں؟

دن اور رات دونوں زمین کی حرکت اور سورج کے اس کے اوپر نکلنے اور ڈوبنے کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ہم میں سے کوئی شخص دن اور رات کے پیدا ہونے کے موقع پر موجود نہیں تھا۔ ہم نے انھیں عدم سے وجود میں آتے نہیں دیکھا ہے، لیکن دن اور رات کی موجودہ حالت ان کے ماضی کی خبر دے رہی ہے۔ وہ ان کی بابت فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے ہم لوگوں

میں سے ہر ایک برابر یہ منظر دیکھتا ہے کہ دن اور رات میں سے ہر ایک معدوم ہونے کے بعد موجود ہوتا ہے۔ کسی چیز کا نہ ہونے کے بعد ہونا، معدوم ہونے کے بعد وجود میں آنا بتاتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے نہیں ہے۔ اس طرح دن اور رات کے متعلق یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہیں یا ہمیشہ سے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جیسے ہمارے دور کے شب و روز ہیں ایسے ہی پچھلے شب و روز بھی تھے۔ جو اِن کی حالت اور خصوصیت اس وقت ہے یہی اُن کی حالت اور خصوصیت پہلے بھی تھی۔

کیا ایسا نہیں ہوسکتا ہے؟

اس مقام پر ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ مانا کہ دن اور رات دونوں میں سے ہر ایک کو جب ان کی اکائیوں کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو واقعی ایسا ہی پتہ چلے گا کہ وہ عدم سے وجود میں آئی ہیں، لیکن جہاں تک ان کے مجموعہ کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ نظام لیل و نہار کبھی نہ ہو۔ کسی چیز کے فرداً فرداً عدم سے وجود میں آنے کا یہ لازمہ کیسے ہے کہ ان کڑیوں کا مجموعہ، یعنی خود پوری زنجیر بھی عدم سے وجود میں آئی ہے؟

اس مذکورہ سوال کا جواب واضح ہے، کیونکہ بیرونی دنیا میں ہمارے ذہن کے حدود سے باہر جو چیز واقعاً موجود ہے وہ کسی زنجیر کی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ ان سے الگ ان کا مجموعہ اعتباری چیز ہے۔ یہ ہمارے اعتبار اور لحاظ کا پھیر اور اس کی کارستانی ہے کہ ہم زنجیر میں دو چیزوں کو موجود قرار دیتے ہیں، ایک کڑیاں، دوسرے ان کا مجموعہ۔ بیرونی دنیا میں بس ایک دوسرے سے ملی ہوئی کڑیاں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے جو وجود سے متصف ہو اور اس کا نام مجموعہ رکھا جائے، پھر جبکہ مجموعہ کا وجود بیرونی دنیا میں اجزاء کے وجود سے علیحدہ مستقل طور پر نہیں ہے تو یہ کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے کہ دن اور رات کی اکائیاں عدم سے وجود میں آئی ہوں، لیکن یہ پورا سلسلۂ لیل و نہار ازلی ہو؟ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی محتاج خانے میں پانچ ہزار فقیر رہتے ہوں۔ ان کی بابت کہا جائے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب اس محتاج خانے کے ایک ایک باشندے کو دیکھا جائے تو یقیناً وہ فقیر اور محتاج ہے، لیکن اگر ان کے مجموعہ پر نظر کی جائے تو وہ امیر اور مالدار ہے! سوچیے کہ کیا اربوں صفر اکٹھا ہو کر کسی چھوٹے سے چھوٹے عدد کی تشکیل کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔ یہاں ہمارا اصلی مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ مادّے میں کچھ ایسے خصوصیات موجود ہیں جو پکار پکار کر اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے، وہ ہمیشہ سے نہیں ہے۔ ان خصوصیات میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ پیش نظر رہے کہ ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ موجودات عالم اور مادّہ ذاتی طور سے معدوم رہ کر وجود میں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارے بعض دلائل کا نتیجہ یہ بھی ہو کہ ایک زمانہ ان کے وجود سے خالی تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بھی ہمارے مقصود کو پورا کرتی ہے، کیونکہ جو چیز اس طرح کی ہوگی وہ ذاتی طور سے ہمیشہ سے نہیں ہو سکتی، ورنہ کوئی وقت اس کے وجود سے خالی کیوں ہوتا؟

تغیر و تبدل

یہ دونوں لفظ ایسے نہیں ہیں جن کے معنی بیان کرنے کی ضرورت ہو، وہ ہر شخص کے دماغ میں خود بخود موجود ہیں، چاہے وہ انھیں الفاظ میں بیان نہ کر سکے۔ شاید "تبدیلی" کا لفظ ان دونوں سے زیادہ عام فہم ہے۔ غالباً معمولی سی معلومات رکھنے والا شخص بھی اس کا انکار نہ کر سکے کہ مادّہ بھانت بھانت کی تبدیلیوں کی آماجگاہ ہے۔ یہ کائنات کی ساری چہل پہل انہی تبدیلیوں کا تصدق ہے۔ تمام چیزیں اپنے نقطۂ ارتقا تک انہی تغیرات کے ہاتھوں پہنچی ہیں۔ ایک چھوٹے سے بیج کو عظیم، تن آور درخت کی شکل انہی تبدیلیوں نے دی ہے۔ حقیر اور گھناؤنا نطفہ ایک جلیل القدر پارسا اور فرشتہ خصلت پرہیزگار کی صورت میں انہی تبدیلیوں کی وجہ سے نمودار ہوا ہے۔ صنعت اور ٹیکنالوجی کی یہ حیرت انگیز ترقیاں، یہ تیز رفتار ذرائع نقل و حمل، جنگی ہتھیاروں کے میدان میں طاقت ور، بڑے ملکوں کی یہ خطرناک دوڑ جس سے انسانیت کا دل برابر دہلتا رہتا ہے، آسمانی کُرّوں کو فتح کرنے کے یہ عزم و ہمت سے بھرپور منصوبے جنھوں نے انسان کو بڑا مغرور بنا دیا ہے بلاشبہ مادّے کی نیرنگیوں اور تبدیلیوں کی رہین منت ہیں۔

مذہبی مفکرین کا کہنا ہے کہ کسی چیز کا تبدیلیوں کی آماجگاہ ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آئی ہے۔ اُن کے اس خیال کو اگر نہ مانا جائے تو بس ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہو، کیونکہ ان دو صورتوں کے علاوہ اس چیز کے واسطے کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔

ہمیشہ سے ہو تو کیا ہوگا؟

مادیین کہتے ہیں کہ بے شک مادّہ ہمیشہ سے ہے۔ اس کی ذات ازلی اور ابدی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تبدیلیوں کی آماجگاہ ہے، لیکن تبدیلیاں اس کے حالات اور صفات میں ہوتی ہیں۔ ان کا اثر مادّے کی ذات پر نہیں پڑتا ہے۔ وہ ان تغیرات کے باوجود اپنی جگہ جوں کی توں برقرار رہتی ہے۔

آپ ایک موم کے ٹکڑے کو مختلف صورتوں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ یہ موم شمع کی صورت میں بھی نظر آتا ہے، گیند کی شکل میں گول بھی دکھائی دیتا ہے، چپٹا ہو کر ٹکیہ بھی بن جاتا ہے۔ صورتیں بدل رہی ہیں، مگر موم کی ذات ثابت اور برقرار ہے۔ مختلف شکلیں عدم سے وجود میں آئی ہیں، لیکن موم کی ذات؟ وہ جب سے بھی ہے، بس ہے۔ شکلوں کا عدم سے وجود میں آنا اس کا موجب اور سبب نہیں ہے کہ وہ خود بھی عدم سے وجود میں آئے۔

جواباً عرض ہے کہ جو چیز ذاتی طور سے ازلی اور ابدی ہوگی اس کے لیے وجود ضروری ہوگا، کیونکہ ہمیشہ سے وہی چیز ہو سکتی ہے جسے کوئی دوسرا وجود میں نہ لایا ہو، اس کی ذات اس کے وجود کا سرچشمہ ہو۔ ایسی ہی ہستی وہ ہوگی جس کا وجود بعد میں اور عدم پہلے نہیں ہوگا۔ وہ عدم کی حالت چھوڑ کر وجود سے متصف نہیں ہوگی، ورنہ ظاہر ہے کہ جس چیز کے لیے ذاتی طور پر موجود اور معدوم ہونا یکساں ہے وہ عدم ہی سے وجود میں آئے گی۔ اس کی وجہ واضح ہے، اس طرح کی چیز بیرونی دنیا میں، ذہن کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنے کے لیے کوئی سہارا چاہتی ہے، بغیر کسی سبب کے وہ موجود نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا کہ جو چیز ذاتی طور پر بغیر کسی دوسرے کے سہارا دیے ہوئے ہمیشہ سے ہو، اس کے لیے وجود ضروری ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اہلِ علم اور اہلِ فلسفہ کی زبان میں یوں کہا جائے گا کہ مادّے کو اگر "حادث ذاتی" نہ مانا جائے تو وہ "قدیم ذاتی" ہوگا، جس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ "واجب الوجود" کی مسند پر جلوہ افروز ہو۔

اس مقام پر مادی مفکرین کہہ سکتے ہیں کہ اس بات کے نتیجہ میں کہ مادّہ معدوم رہ کر موجود نہیں ہوا ہے اگر وہ ایسی چیز قرار پا گیا جس کے لیے وجود ضروری ہے تو بہت اچھا ہوا۔ اس کے بعد پھر خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم یہی تو کہتے ہیں کہ اس کائنات

میں ساری چہل پہل مادّے کے دم قدم سے ہے، موجودات عالم کی زنجیر کی آخری کڑی یہی ایٹم ہے، وہی سرچشمۂ وجود ہے۔

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ!

مادّی مفکرین نے اس مقام پر غالباً کسی چیز کے لیے وجود کے ضروری ہونے کے فطری اور ذاتی تقاضوں کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اور انھوں نے ہی کیا، ہر چشم و گوش رکھنے والے شخص نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مادّہ تغیر و تبدل کی آماجگاہ ہے۔ اب انھیں اس کے عدم سے وجود میں آنے کا انکار اس بات تک کھینچ کر لایا ہے کہ وہ اس کے لیے موجود ہونا ضروری قرار دے رہے ہیں۔

لیکن کسی شی کے واسطے وجود کے ضروری ہونے کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ اس میں عدم کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اور وہ نرا وجود ہی وجود ہو، اس طرح "واجب الوجود" ہونے ہی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ چیز تمام کمالات کی مالک اور تمام نقائص سے پاک ہے، کیونکہ یہ سراب خیال اور دھوکا ہے کہ ہم نقائص کو بھی کمالات کی طرح وجودی چیز سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم وجودی چیز ہے، لیکن جہالت ہرگز وجودی چیز نہیں ہے۔ وہ علم کے عدم کا نام ہے۔ اقتدار وجودی چیز ہے، لیکن محکومی اور عاجزی وجودی نہیں ہے، وہ اقتدار نہ ہونے کا نام ہے۔ سخاوت وجودی صفت ہے۔ اس کے مقابلے میں کنجوسی وجودی چیز نہیں، سخاوت کے نہ ہونے کا نام بخل ہے۔ تمام کمالات اور تمام نقائص کی یہی صورت ہے۔

جبکہ "واجب الوجود" یعنی وہ چیز جس کے لیے ذاتی طور پر وجود ضروری ہے نرا وجود ہی وجود ہے، جس جس چیز کو وجود کہا جائے وہ خود بخود اس کے لیے ضروری ہے اور نیستی کا کوئی شائبہ اس کی ذات میں نہیں ہے تو کیا اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ ذاتی طور پر وہ تمام کمالات کا مالک اور تمام نقائص و عیوب سے بلند و برتر ہے؟ فرمائیے کہ کیا اندھا، بہرا، گونگا، بے بس اور جاہل مادّہ ایسا ہی ہے؟ تھوڑا سا غور فرمایئے۔ ان عدمیات سے مادّے کے متصف ہونے کا تقاضا یہی ہوا کہ وہ نرا وجود ہی وجود ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ کسی شخص کو اس بات کے غیر ممکن ہونے میں شک نہیں ہو سکتا ہے۔

کیا اس کے صفات اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں؟

جس چیز کے لیے ذہن کی چار دیواری سے باہر موجود ہونا ضروری ہو اس کے یہاں ذات اور صفات کے درمیان دوئی نہیں ہوسکتی ہے۔

ہمیں اپنے اردگرد مختلف طرح کے صفات کی مالک جو چیزیں ملتی ہیں ان میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ بیرونی دنیا میں دو چیزوں کا وجود ہے، ایک صفت کا وجود اور دوسرے اس چیز کا وجود جس میں وہ پائی جاتی ہے، لیکن جس چیز کے لیے ذاتی طور پر وجود ضروری ہو اس کے یہاں صفت اور اس ذات کے درمیان دوئی نہیں ہوسکتی جو اس سے متصف ہے۔ صفت کا وجود ہو بہو موصوف کا وجود اور موصوف کا وجود بعینہٖ صفت کا وجود ہے۔ اس کی وجہ اس چیز کی وہی خصوصیت ہے کہ موجود ہونا اس کے واسطے ضروری ہے۔ اسی کا ذاتی تقاضا یہ ہے کہ وہ نہ موجود ہونے کے لیے اپنے غیر کی محتاج ہو اور نہ ایسی باتوں کے لیے جو اس کے وجود کا لازمہ ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم عالم ہونے کے لیے علم کے محتاج ہیں۔ ہماری ذات بہت سے صفات سے خالی ہے۔ یہ صفات اغیار اور بیگانے ہیں۔ ہماری ذات کو یہی اغیار کچھ دیتے ہیں، وہی تہی دامنی کو دور کرتے ہیں۔ اس میں کوئی مضایقہ بھی نہیں ہے، کیونکہ ہم تو ہیں ہی ایسے کہ ذاتی طور پر ہمارے لیے موجود اور معدوم ہونا یکساں ہے۔ ہمیں وجود ہی میں دوسرا لایا ہے۔ اگر اغیار ہماری تہی دامنی دور کریں تو کیا حرج ہے، علم کے طفیل میں ہم عالم بنیں، اقتدار کے صدقے میں ہم صاحب اقتدار قرار پائیں، زندگی سے بھیک پاکر زندوں میں ہمارا شمار ہو، لیکن جس چیز کے لیے موجود ہونا ضروری ہو اس کے صفات اگر اغیار رہوں اور وہ ان کی محتاج ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پھر وہ ہماری طرح ہے، موجود ہونا اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔

نتیجۂ کلام

اہلِ مذہب مادّے کے لیے اس کے قائل ہیں کہ وہ معدوم رہ کر وجود میں آیا ہے۔ اُن کے مقابلے میں مادّہ پرست طبقہ کہتا ہے کہ نہیں وہ ہمیشہ سے ہے۔ اہل مذہب مفکرین کا کہنا ہے کہ مادّہ اگر ازلی اور ابدی ہے تو اس کے واسطے ہمارے دماغ کی چار دیواری سے باہر بیرونی دنیا میں موجود ہونا ذاتی طور پر ضروری ہے۔ جب ایسا ہوگا تو اُس کے تمام صفات ہو بہو

اس کی ذات اور اس کی ذات ہو بہو اس کے صفات قرار پا جائے گی۔ ذات اور صفت کے درمیان بیگانگی اور دوئی نہیں رہے گی، اس لیے اس کی صفت کی تبدیلی اس کی ذات کی تبدیلی ہوگی۔ ایسی صورت میں مادّیین کا مندرجۂ ذیل خیال کیسے صحیح ہوگا؟

"مادّہ عدم سے وجود میں نہیں آیا ہے۔ وہ ذاتی طور پر ہمیشہ سے ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ وہ تبدیلیوں کی آماجگاہ ہے، تبدیلیاں اس کے حالات اور صفات میں ہوتی ہیں۔ ان کا اثر مادّے کی ذات پر نہیں پڑتا ہے۔ اس کی ذات ان تغیرات کے باوجود جوں کی توں محفوظ رہتی ہے۔

حرکت

ایک زمانہ تھا کہ لوگ خیال کرتے تھے کہ جو چیزیں ان کی آنکھوں کو رکی اور ٹھہری ہوئی دکھائی دے رہی ہیں وہ واقعی ساکن ہیں۔ وہ صرف ان چیزوں کو ہلتا ڈلتا ہوا سمجھتے تھے جن کا متحرک ہونا ان کے مشاہدے میں تھا، لیکن آج جدید سائنس کی روشنی میں اس عقیدے کا غلط ہونا دوپہر کے چمکتے ہوئے سورج کی طرح نمایاں ہو چکا ہے۔ سائنس دانوں کے نزدیک کوئی چیز ساکن نہیں ہے۔ دنیا کے تمام جسموں پر ایک عمومی حرکت حکومت کر رہی ہے، کیونکہ کوئی جسم ہمیں جس طرح کا بھی محسوس، چاہے متحرک چاہے ساکن، چاہے سیال اور چاہے غیر سیال بہر حال وہ بے شمار جمع شدہ ایٹموں کا نام ہے جن میں الیکٹران ایک سیکنڈ میں ہزارہا مرتبہ پروٹان کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ ایک جسم، یعنی ارہا ایٹم۔ ایٹم، یعنی ایسی چیز جو ہمیشہ متحرک ہے۔ یہ ایک ایسی حرکت ہے جس کا اصطلاحی نام "فزیکل (Physical) حرکت" ہے۔

حرکت مادّے کی بنیادی صفت ہے۔ اس کی تمام تبدیلیاں اسی حرکت کے طفیل میں ہوتی ہیں۔ وہ طرح طرح کی صورتیں اور رنگ برنگ بھیس اسی حرکت کی بدولت اختیار کرتا ہے۔ اس کے وجود کا دار و مدار حرکت کے اوپر ہے۔ حرکت کے نہ ہونے کا نتیجہ مادّے کا معدوم ہو جانا ہے۔ یہ بات اس وقت سائنس دانوں کے نزدیک مانی ہوئی ہے، بلکہ آئن اسٹائن نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "مادّہ بعینہٖ حرکت اور حرکت بعینہٖ مادّہ ہے۔"

یہ حرکت کہ جو مادّے کے ساتھ ساتھ ہے ہرگز ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی۔ اس کی حقیقت بتا رہی ہے کہ وہ جہاں اور جس طرح بھی پائی جائے معدوم رہ کر وجود میں آئے گی۔

حرکت کی حقیقت کیا ہے؟

اس سوال کا جواب فلاسفہ نے مختلف الفاظ میں دینے کی کوشش کی ہے۔ ارسطو سے پہلے جو فلاسفہ تھے انھوں نے مندرجۂ ذیل لفظوں میں حرکت کا مفہوم سمجھانا چاہا ہے۔

۱۔ الحرکۃ ھی الخروج من القوۃ الی الفعل علی التدریج

"حرکت نام ہے صلاحیت کے دائرے سے نکل کر صفحۂ وجود پر آنے کا تدریجی طور سے"
جبکہ "حرکت" کے مفہوم کو بتانے کی غرض سے مذکورۂ بالا الفاظ صرف کیے گیے ہیں تو "متحرک" یعنی وہ چیز کہ جس میں حرکت پائی جائے اُسے ان لفظوں میں پہچنوایا جائے گا۔

المتحرک ھو الخارج من القوۃ الی الفعل علی التدریج

"متحرک، یعنی نکلنے والا صلاحیت کے دائرے سے صفحۂ وجود پر رفتہ رفتہ"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ "حرکت" کا مفہوم بتاتے ہوئے کہا گیا ہے، الحرکۃ ھی الخروج، حرکت، خروج کا نام ہے۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ "الخروج" کیا ہے؟ اہل فلسفہ کہتے ہیں کہ "خروج" "حدوث" کے معنی میں ہے "حدوث" کے معنی ہیں، جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے، "عدم سے وجود میں آنا" اس کے بعد تو یہ بات زبان پر آنے کی گنجائش نہ رہنا چاہیے کہ حرکت ازلی چیز ہے، وہ ہمیشہ سے ہے۔

اسی طرح جس چیز میں حرکت پائی جائے، جیسے ایٹم کہ وہ متحرک ہے۔ اس کے معنی بتاتے ہوئے کہا گیا ہے "المتحرک ھو الخارج" متحرک اسے کہتے ہیں جو خارج ہو۔ یہاں بھی پوچھنے کا موقع ہے کہ یہ "الخارج" کیا ہے؟

اگر پہلے سوال کا جواب ذہن نشین ہوگیا ہے تو ہر ذہین آدمی دوسرے سوال کا جواب خود دے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب "خروج" کے معنی ہیں "حدوث" تو "الخارج" کے معنی ہوے "حادث"۔

اسے تو اصحاب علم جانتے ہی ہیں کہ "حادث" عدم سے وجود میں آنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ جو شے معدوم رہ کر موجود ہو فلسفہ کی زبان میں اس کا نام "حادث" ہے۔

اس لفظی وضاحت اور تشریح کا نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ صاف ہے کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ متحرک کا مفہوم بتلانے کی غرض سے جس لفظ سے کام لیا گیا، وہ ہے "خارج" جس کے

براہِ راست معنی ہیں "حادث" یعنی عدم سے وجود میں آنے والا۔ اس کے بعد اس تصور کی کہاں گنجائش رہ جاتی ہے کہ جس چیز میں حرکت پائی جائے وہ "قدیم" یعنی ہمیشہ سے ہو؟

۲۔ الحرکۃ کمال اول لما بالقوۃ من جھۃ ما ھو بالقوۃ۔

قدیم فلاسفہ کے مقابلہ میں ارسطو نے مذکورۂ بالا الفاظ میں "حرکت" کا تعارف کرایا ہے۔ اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ انھوں نے حرکت کا مفہوم جن الفاظ میں بتایا ہے ان سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہ کہ وہ ایسی چیز ہے جو ہمیشہ سے ہے یا یہ کہ وہ عدم کے دائرے سے نکل کر وجود میں آئی ہے؟

اس عبارت کی ضروری تشریح اور اس کے مفاد کے متعلق تو بعد میں گفتگو ہوگی۔ فی الحال دو اصطلاحی لفظوں کے معنی بیان کرنا ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بغیر چھ چیزوں کے حرکت وجود میں نہیں آسکتی ہے جن میں سے دو مندرجۂ ذیل ہیں۔

۱۔ "مبدا" یعنی وہ چیز کہ جس سے حرکت شروع ہو۔

۲۔ "منتہیٰ" یعنی وہ چیز کہ جس کی طرف حرکت ہو۔

جس چیز سے حرکت شروع ہو اور جس شے کی طرف حرکت ہو کبھی دو الگ الگ چیزیں ہوتی ہیں اور کبھی حقیقت میں ایک ہی چیز ہوتی ہے، ہم اس کو دو قرار دے لیتے ہیں، جیسے لٹو یا چکی کا پاٹ جو گھومتا ہے۔ جس نقطے سے اس کی حرکت کو شروع مانا جائے درحقیقت اسی پر وہ ختم بھی ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم ایک ہی نقطہ کو دو نقطے فرض کرلیں۔

پہلی صورت کی بھی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ کسی ٹرین سے علی گڑھ سے دہلی کے لیے روانہ ہوے۔ اس ٹرین کی حرکت کہاں سے شروع ہوئی ہے؟ علی گڑھ جنکشن کے کسی پلیٹ فارم سے۔ اس کو اصطلاحی طور پر "مبدا" کہیں گے۔ کس کی طرف ٹرین حرکت کررہی ہے؟ دہلی کے پرانے یا نئے اسٹیشن کی طرف اس کو اصطلاحی طور پر "منتہیٰ" کہتے ہیں۔

"کمال" کا لفظ برابر ہمارے کان سنتے رہتے ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی بھی ہمارے دماغوں میں موجود ہیں۔ اس کے ایک اصطلاحی معنی ہیں۔ ارسطو نے "حرکت" کا مفہوم سمجھانے کے لیے "کمال" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "کمال" اس صفت کا نام ہے جو کسی چیز کے واسطے کسی زمانۂ حال میں ثابت ہو۔ اس کے برخلاف "نقص" اس صفت کا نام ہے جو کسی زمانۂ حال میں نہ ہو، اگرچہ ہوسکتی ہو، وہ وجود

میں آنے کی صلاحیت سے محروم نہ ہو۔

فلاسفہ نے اس "کمال" کی دو قسمیں بیان کی ہیں، کمال اول اور کمال ثانی۔

"کمال اول" اس صفت کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی ذات کسی بھی زمانۂ حال میں مکمل ہو، نیز اس کے اوپر کسی دوسری صفت کا وجود موقوف ہو۔ اسی دوسری صفت کو "کمال ثانی" کہا جاتا ہے۔ یہ پہلی صفت کے وجود میں آنے پر موقوف بھی ہوتی ہے اور اُس کے ذریعہ سے اُس کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔

"کمال اول" کی مثال میں حرکت کو پیش کیا جاتا ہے اور "کمال ثانی" کی مثال میں جس نقطے کی طرف حرکت ہو اس تک پہنچ جانے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نقطۂ مقصود تک پہنچنا حرکت کے اوپر موقوف ہے۔

ان اصطلاحی الفاظ کے حل ہو جانے کے بعد اب اُن کا مطلب بتایا جاتا ہے جو ارسطو نے حرکت کا مفہوم سمجھاتے ہوئے استعمال کیے ہیں۔ ان لفظوں کو پھر دہرایا جا رہا ہے:

"الحرکۃ کمال اول لما بالقوۃ من جہۃ ما ھو بالقوۃ"

"حرکت" اس صفت کا نام ہے جو کسی بھی زمانۂ حال میں موجود اور اس کے قبل معدوم ہو، لیکن ایسا عدم جس میں وجود سے بدلنے کی صلاحیت ہو، نیز وہ ایسی صفت ہو جس پر دوسرے صفات کا وجود میں آنا موقوف ہو۔ یہ صفت کہ جو ایک وقت میں نہ تھی اور وجود میں آنے کی صلاحیت رکھتی تھی وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے زمانۂ حال میں صفت کمال سے تبدیل ہو جاتی ہے، اس کا صفت کمال بننا اسی اپنی صلاحیت کا مرہون منت ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی چیز جب تک حرکت شروع نہیں کرتی ہے وہ دو صفتوں سے کسی بھی "حال" کے زمانہ میں محروم رہتی ہے، اگرچہ اس میں ان دونوں صفتوں کے مالک ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ وہ دو صفتیں کون سی ہیں جن سے حرکت نہ کرنے کی صورت میں کوئی چیز محروم ہوتی ہے؟ وہ دو صفتیں یہ ہیں۔

(الف) جہاں وہ چیز ہے وہاں سے منتقل ہونا۔

(ب) جس نقطے تک اُسے جانا ہے اس تک پہنچنا۔

کسی چیز کے حرکت کرنے اور اس نقطے تک پہنچنے کے بعد جس کی طرف وہ چل رہی تھی اُس کے اندر دو صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس میں سے پہلی صفت دوسری صفت کا سرچشمہ ہے۔ اس کا وجود اُس کے وجود پر موقوف ہے۔

پہلی صفت ہے حرکت کرنا اور اپنی جگہ سے منتقل ہونا۔ دوسری صفت ہے اس نقطے تک رسائی جس کی طرف وہ چیز حرکت کر رہی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس خاص نقطے تک پہنچ جانے کے بعد پھر حرکت کا وجود نہیں ہوتا۔ حرکت کسی بھی حال کے زمانے میں موجود اسی وقت ہوتی ہے جب ابھی کوئی چیز اس نقطے تک نہ پہنچی ہو جس کی طرف وہ چل رہی ہے۔ منزل تک پہنچنے کے بعد حرکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز جب اپنے مقام کو چھوڑ کر حرکت میں مصروف ہوتی اور ابھی اس نقطے تک نہیں پہنچتی ہے جس کی طرف وہ جا رہی ہے تو اس کے اندر ایک مخصوص حالت پیدا ہوتی ہے۔ یہ حالت یقیناً اس وقت نہ تھی جب اس نے اپنا مقام نہیں چھوڑا تھا۔ اسی طرح یہ حالت اس وقت بھی نہیں باقی رہے گی جب وہ منزل تک پہنچ جائے گی۔ یہ حالت اس کے اندر صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ وہ اُن دو نقطوں کے درمیان ہو جن میں سے ایک حرکت کا نقطۂ آغاز ہے اور دوسرا اُس کا نقطۂ اختتام ہے۔ اس حالت کو اہلِ علم کی توجہ مبذول کرنے کے لیے ان لفظوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

کون الشئ بین المبدا والمنتھی

"کسی چیز کا نقطۂ آغاز اور نقطۂ اختتام کے درمیان ہونا"

یہ حالت اس پل تک باقی رہتی ہے کہ جب کوئی چیز اس نقطے تک پہنچ جائے جس کی سمت میں اُس نے چلنا شروع کیا تھا، اسی حالت کا نام "حرکت" ہے۔

ارسطو نے حرکت کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی روشنی میں اس کا "حادث" ہونا واضح ہے، کیونکہ وہ اُس صفت کا نام ہے جو کسی زمانۂ حال میں موجود اور اس کے پہلے معدوم ہو۔ ظاہر ہے کہ "حادث" ایسی ہی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ جب حرکت عدم سے وجود میں آئی ہے تو وہ چیز کہ جس میں حرکت پائی جائے، یعنی جو شئی متحرک ہو اس کی بابت بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ سے نہیں ہے، ورنہ اُس کے اور حرکت کے درمیان جدائی ہو جائے گی جبکہ ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اس کے لیے ایک لازمی صفت ہے۔

۳۔ الحرکۃ ھی الکون الاول فی المکان الثانی

حرکت کا مفہوم سمجھانے کی غرض سے مذکورۂ بالا الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ حرکت کو ان لفظوں میں جناب غفران مآب نے اپنی شہرۂ آفاق اور یگانۂ روزگار کتاب "عماد الاسلام" میں

سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

اس کی توضیح اور تفسیر کے طور پر عرض ہے کہ ہر چیز کا گھر وہ خول ہے جس میں وہ سمائی ہوئی ہے۔ وہ چیز جب ٹھہری ہوئی اور ساکن ہوتی ہے تو اس کے اس خول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے، تمام اوقات میں وہ جہاں تھی وہیں رہتی ہے۔ حرکت کرنے کے دوران وہ ہر ہر پل میں ایک نئے خول میں جو اس کا گھر ہے صرف ایک دفعہ آتی اور اس سے عبور کر جاتی ہے۔ دوسرے پل میں وہ وہاں نہیں ہوتی، اُس کے بعد والے خول میں داخل ہو چکی ہے۔ اس دوسرے پل میں اگر پہلے پل والے خول میں اس کا وجود ہو جس کو غفران مآب طاب ثراہ نے "کون" کے لفظ سے یاد فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ٹھہری ہوئی ہے، حرکت نہیں کر رہی ہے۔

صاف سی بات ہے کہ ہر دوسرا خول پہلے خول کے بعد ہے، پہلا خول اس سے پہلے ہے۔ "حادث" اتفاق سے وہی ہے جس کے قبل کوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا خول پہلے خول کے بعد ہے تو اس میں کوئی چیز بعد کو آئے گی۔ اُس کے قبل وہ پہلے خول میں ہوگی۔ اُسی سے گزر کر اور اُسی کو عبور کر کے وہ دوسرے خول تک پہنچے گا۔ جب دوسرا خول پہلے خول کے بعد ہے تو اُس میں کسی چیز کی موجودگی پہلے خول میں موجودگی کے بعد ہے۔ معلوم ہوا کہ حرکت کی حقیقت میں عدم سے وجود میں آنا رچا بسا ہوا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس مقام پر کہا جا سکتا ہے کہ ایٹم کے اندر بہت سے اجزاء ہیں۔ اُن میں سے الیکٹران کی بابت ثابت ہوتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے۔ حرکت اس کے وجود کا لازمہ ہے، جب حرکت حادث تو الیکٹران بھی حادث، یعنی جب حرکت معدوم رہ کر موجود ہوئی ہے تو الیکٹران کو بھی معدوم رہ کر موجود ماننا پڑے گا، لیکن اسی ایٹم کے مرکزی حصے نیوکلیس کا ایک جز پروٹون بھی ہے جو اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ ایٹم کے کسی ایک جز کے حادث ہونے کا یہ تقاضا کیسے ہے کہ اس کے تمام اجزاء حادث ہوں؟

اس کا جواب بہت واضح ہے، کیونکہ ایٹم کے اجزاء کی مختلف عمریں نہیں ہیں، سب کی عمر ایک ہے، جو اس کے ٹھہرے ہوئے اجزاء کی عمر ہے وہی گھومتے ہوئے اجزاء کی بھی عمر ہے۔ اس کے تمام اجزاء جڑواں بچوں کے مانند ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ایٹم کا متحرک جز حادث ہے،

وہ عدم سے وجود میں آیا ہے تو اس کے ٹھہرے ہوئے جز کا بھی "حدوث" ثابت ہو گیا۔ اس کے علاوہ سکون بھی حرکت کی طرح ہمیشہ سے نہیں ہو سکتا، وہ ازلی کب ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی شخص سکون کی بابت اقرار نہ کرے کہ وہ معدوم رہ کر موجود ہوا ہے بلکہ یہ کہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ مادّہ ازلی ہو، اس پر سکون چھایا ہوا ہو، اس میں حرکت بعد کو پیدا ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی حرکت سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ مادّہ عدم سے وجود میں آیا ہے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ صبح ازل کے بعد مادّے میں حرکت پیدا ہونے کا سبب کون چیز ہے؟ اس کا سرچشمہ خود اس کی ذات ہے یا اس کے علاوہ کوئی دوسری شئی۔

مادّیین کی طرف سے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ بعد کو وہ خود بخود متحرک ہو گیا، یعنی مادّے کی ذات اس کی حرکت کا سبب ہے۔

صاف سی بات ہے کہ اگر خود مادّے کی ذات نے اس کو متحرک بنایا ہے تو یہ حرکت بعد میں کیوں آئی؟ مادّے کے پاس عقل اور ارادہ تو ہے نہیں کہ اس نے عالم ازل میں ہلنا ڈلنا پسند نہیں کیا، بعد میں متحرک ہونا قرین مصلحت سمجھا!

ہو سکتا ہے کہ مادہ پرست کہیں کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ مادّے میں حرکت کسی دوسری چیز نے پیدا کی ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حرکت عدم سے وجود میں آئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خود مادّہ حادث ہے، وہ ازلی نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کی ذات ازلی ہو اور اس کی حرکت حادث ہو۔

سوال یہ ہے کہ جب مادّے کی ذات ازلی ہے تو اسے حرکت اور دوسرے صفات کا مالک ہونے کے سلسلے میں دوسری چیزوں کی ضرورت کیوں ہے؟ کیا کسی چیز کا اپنے صفات کے بارے میں دوسری چیزوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا یہ نہیں بتاتا کہ خود اس کی ذات بھی ان چیزوں کی محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی ذات اس کے صفات کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، کیونکہ ذات جڑ کی حیثیت رکھتی ہے اور صفات کی حیثیت شاخوں کی ہے، جبکہ مادّہ فروعی صفات سے متصف ہونے میں دوسرے کا محتاج ہے تو اپنے وجود میں بھی دوسرے کا محتاج ہوگا، کیونکہ اس کا وجود اور اس کی ذات بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کی وضاحت کے لیے مندرجۂ ذیل مثال ملاحظہ ہو۔ فرض کیجیے کہ کوئی شخص ایک من بوجھ اٹھا سکتا ہے، جب وہ اس کو اٹھا سکتا ہے تو یقیناً ہلا ڈلا بھی سکتا ہے لیکن

جو شخص اسے جنبش دے سکتا ہو اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ اسے اٹھا بھی سکے۔

مادّیین نے مادّے کو ازلی فرض کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کی ذات بے نیاز ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں ہے، لیکن انھیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ایسی صورت میں اسے حرکت اور دوسرے صفات میں بھی کسی کا محتاج نہ ہونا چاہیے۔ صفات کے سلسلے میں مادّے کا کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانا بتاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں بھی اس کا محتاج ہے۔ اُس کے در کا بھکاری ہے۔

غرض یہ کہ حرکت کے معنی، اُس کی ذات اور حقیقت خود پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اُسے جیسا بھی فرض کیا جائے، جہاں بھی وہ پائی جائے عدم سے وجود میں آنا اُس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ الیکٹران مستقل طور پر پروٹون کا اُسی طرح طواف کر رہا ہے جس طرح سورج کا طواف دوسرے سیّارے کر رہے ہیں۔ انصاف کیجیے اور اسی کے ساتھ غور فرمائیے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ الیکٹران کے یہ گزشتہ اور آیندہ تمام چکر بیک وقت اکھٹا ہو جائیں؟ کیا ان چکروں کی وہی نوعیت اور صورت نہیں ہے جو زمانے کے ننھے منے لمحوں کی ہے؟ ایک لمحہ اسی وقت وجود میں آتا ہے جب اس کے پہلے کا لمحہ آغوش فنا میں پہنچ جائے۔ وہ جس وقت پیدا ہوتا ہے اسی وقت فنا بھی ہو رہا ہوتا ہے، تاکہ بعد میں آنے والے اپنے جانشین لمحوں کے لیے جگہ خالی کرے۔

مادّیین اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے کہ حرکت کی ذات اِس طرح کی ہے جو جگہ جگہ سے کٹی ہوئی ہے، وہ ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ اِن ٹکڑوں کا تسلسل ان کی ایک دوسرے سے جدائی کا پردہ پوش ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس کی ازلیت کے دعویدار ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہی ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور ان کا ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار رہنا خود ازلی ہے، اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مادّہ جہاں اور جس جگہ بھی ہو متحرک ہے۔ کوئی ایٹم ایسا نہیں ہے جس کے الیکٹران پروانے کی طرح اس کے پروٹون کے گرد چکر نہ لگا رہے ہوں۔

مادّی مفکرین کی خدمت میں ہماری عرض ہے کہ حرکت کی ذات کا یہی ٹکڑے ٹکڑے ہونا ایک ٹکڑے کا پہلے ہونا اور دوسرے کا اس کے پیچھے ہونا حقیقت میں "حدوث" ہے

وہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ حادث اس موجود کو کہتے ہیں جس کے پہلے کوئی موجود ہو چکا ہو۔ حرکت کے تمام ٹکڑے اسی قماش کے ہیں۔ زمانہ حال ماضی اور مستقبل کا پتہ بتا رہا ہے۔ تمام گزشتہ زمانوں میں بھی ایسا ہی ہے کہ حرکت کی ذات ٹکڑے ٹکڑے ہے اور ہر ٹکڑا اپنے پہلے ٹکڑے کے لحاظ سے مؤخر اور اپنے بعد والے ٹکڑے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ معلوم ہوا کہ حرکت کی ذات حادث ہے۔ اس کے ہمیشہ سے ہونے کا تصور بے بنیاد اور غلط ہے۔

ادارۂ تحقیق

کی مطبوعات کے علاوہ دوسرے مکتبوں کی دینی کتب بھی آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔ بعض کتابوں کے نام یہاں دئے جا رہے ہیں۔

۱۔ بخاری شریف اردو ترجمہ مکمل ۳ جلدوں میں	۳۰۰/=	۱۵۔ معاشیات اسلام مولانا مودودیؒ	۲۵/=
۲۔ مسلم شریف اردو ترجمہ ۶ جلدوں میں	۳۰۰/=	۱۶۔ سود مولانا مودودیؒ	۱۸/=
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح اردو ترجمہ مکمل ۳ جلدوں میں	۱۹۵/=	۱۷۔ قرآنی اصطلاحات اور علماء سلف و خلف	۲۵/=
۴۔ تذکرہ۔ مولانا ابو الکلام آزاد	۶۰/=	۱۸۔ عورت اور اسلام مولانا جلال الدین عمری	۵/=
۵۔ خطبات آزاد "	۴۰/=	۱۹۔ معروف و منکر مولانا جلال الدین عمری	۳۵/=
۶۔ سیرت ابن ہشام مکمل ترجمہ	۱۶۰/=	۲۰۔ خدا اور رسول کا تصور "	۳۰/=
۷۔ رحمۃ للعالمین	۹۵/=	۲۱۔ عورت اسلامی معاشرے میں "	۲۵/=
۸۔ فی ظلال القرآن جلد اول	۱۱۰/=	۲۲۔ قرآن مجید کا تعارف مولانا صدر الدین اصلاحی	۱۴/=
پارہ عم	۸۰/=	۲۳۔ دین کا قرآنی تصور "	۸/=
۹۔ کلام نبوت مولانا محمد فاروق خاں	۸۰/=	۲۴۔ اسلام ۔ ایک نظر میں "	۱۵/=
۱۰۔ اسلامی فقہ مولانا منہاج الدین مینائیؒ	۷۰/=	۲۵۔ تحریک اسلامی ہند "	۱۰/=
۱۱۔ یاد رفتگاں ماہر القادری	۴۰/=	۲۶۔ زادِ راہ مولانا جلیل احسن ندوی	۳۰/=
۱۲۔ الجہاد فی الاسلام مولانا مودودیؒ	۴۰/=	۲۷۔ سفینۂ نجات "	
۱۳۔ سیرت سرور عالم "	اول ۶۰/= دوم ۸۵/=	۲۸۔ اسلام کا تصور مساوات مولانا سلطان احمد اصلاحی	۲۰/=
۱۴۔ خلافت و ملوکیت "	۳۰/=		

ملنے کا پتہ

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی ۔ پان والی کوٹھی ۔ دودھ پور ۔ علی گڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۱